اپنی بات

اردو غزل کو عالمی سطح پر جو وقار و اعتبار حاصل ہے اس کے پیچھے بہت سے اساتذۂ فن کی شبانہ روز کی جدوجہد، محنتیں اور ریاضتیں شامل ہیں۔ انھوں نے غزل کے فن کو نکھارنے کے لیے بہت کم مواقع پر سمجھوتے کیے ہیں، ورنہ عموماً اپنی بیباکی سے ہر سدّ راہ کو دور کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ عام قاری کی غزل سے دلچسپی کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، لیکن جو سب سے اہم وجہ بہ ظاہر سامنے آتی ہے، وہ اس کا غنائی لہجہ ہے۔ غزل کے ترنم کی ایک دنیا شیدائی ہے۔ الفاظ و متون کا مطلب چاہے سمجھ میں نہ آئے لیکن غزل کی ترنم خیزی کانوں میں جو رس گھولتی ہے، وہ اس بات کی بہر حال متقاضی ہے کہ غزلوں کو سنا جائے — یہ تو عوامی اور عمومی دلچسپی کی وجہ قرار پائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر دور میں غزل حالات کے تقاضوں اور تہذیبی رویوں کے سبب اپنے موضوعات تبدیل کرتی رہی ہے۔ اس لیے کہ غزل کا ہر شعر اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ اس میں بڑے سے بڑا موضوع سما جائے اور سننے والے کو اپنی جانب متوجہ کرلے۔ غزل کا خاص موضوع اصل میں عشق رہا ہے، لیکن جب غزل اپنی مقبولیت کے بہترین دور سے گزر رہی تھی، تب جدید غزل گویوں نے اس کو مقصدیت کی جانب موڑ دیا۔ اس کے بعد غزل کے وقار و امتیاز کو چار چاند لگ گئے.... اور بغیر کسی تخصیص کے غزل نے قارئین کے دلوں پر حکمرانی شروع کردی۔

دراصل شاعر جب رمز و کنایہ اور اشاروں و استعاروں میں اپنی بات کہتا ہے تو وہ شعر راست طور پر دل پر اثر انداز ہوتا ہے.... اور وہ شعر دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ غزل نے جب بدلتے حالات کے مطابق خود کو نئے انداز میں پیش کیا اور اس میں نئے نئے تجربات کیے گئے تو اس کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا اور غزل کو وسیع تناظر میں دیکھا جانے لگا۔ غزل حسن و عشق اور فلسفۂ حیات سے آگے بڑھ کر غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کا جب حصّہ بن گئی تو جہاں اس کا دامن وسیع ہوا، وہیں غزل برصغیر ہند کی سرحدوں سے نکل کر مغربی ملکوں تک پہنچ گئی اور غزل کی ان نئی بستیوں نے نہ صرف غزل کو مزید وقار و بلندی عطا کی، بلکہ وہ آلام و روزگار سے آگے بڑھ کر فکر معاش پر بھی گفتگو کا ایک اہم ذریعہ بن گئی۔

غزل کی یہی وہ خوبیاں اور نیرنگیاں ہیں جو اسے دوسری اصناف سخن میں ممتاز و ممیز کرتی ہیں۔ غزل کا یہ پھیلاؤ اور اس کی توسیع پسندانہ معاملہ فہمی آج بھی اسی طرح جاری و ساری ہے، جیسے جدید شعرا نے اس کو سمت و رفتار عطا کی تھی۔

غزل پر ہر دور میں نکتہ چینیاں بھی کی گئی ہیں۔ اس لیے کہ غزل کا ہر شعر مکمل اکائی ہوتا ہے، اس میں بات پوری کرلی جاتی ہے اور اس کا غزل کے دوسرے اشعار سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ اگر کبھی ہوتا ہے تو اسے اساتذۂ فن نے غزل مسلسل کا نام بھی دیا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ اگر ایک شعر میں خوشی و مسرت کی بات کی جارہی ہے تو دوسرے شعر میں رنج و غم کی بھی بات کہی جاسکتی ہے، لیکن یہی غزل جب مقصدی شاعری کی طرف سفر کرتی ہے تو اس میں ایسے مضامین باندھے جاتے ہیں جو صرف زندگی اور نمود کی بات کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ اشعار بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں، لیکن مضمون کے اختصاص کے باعث ان میں کوئی نہ کوئی ربط بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ یہی ربط باہمی جدید غزل کا اختصاص بھی ہے، لیکن بہر حال یہاں بھی غزل کا ہر شعر بغیر کسی ربط کے کہا جاتا ہے اور وہ صرف اور صرف ایک اکائی ہوتی ہے۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جس کسی نے بھی اپنے مبہم خیالات سے غزل کو جہل کے قریب لے جانے کی کوشش کی اور اسے بوجھل بنایا، وہ غزل آگے نہیں بڑھ سکی۔ غزل کی خوبی یہی ہے کہ اگر اس میں مضامین کی تکرار بھی ہو تو اشعار اس احتیاط سے نظم کیے گئے ہوں کہ قاری کے ذہن و دل پر بار نہ ہوں۔ جہاں ایسا ہوتا ہے وہیں غزل اپنے بنیادی ماٴخذ سے دور چلی جاتی ہے اور یہ امر غزل اور اس شاعر کے نقصان کا باعث بھی ہوتا ہے۔

اس لیے غزل کے بنیاد گزاروں نے ہمیشہ مبتدی شعرا کی رہنمائی کی ہے اور انھیں غزل کی روش پر انگلی تھام کر چلنا سکھایا ہے۔ جن شعرا نے ایسا نہیں کیا وہ آج بھی نہ غزل سے انصاف کر پاتے ہیں اور نہ اپنی شاعری سے انھیں بہر حال رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ 'ایوانِ اردو' کو اپنے قارئین کی آرا کا ہمیشہ کی طرح انتظار ہے۔

— ادارہ